جانب دین وشریعت کے بنیادی مقاصد اور اصل اہداف کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے کہ دین کے اعتبار سے حق و باطل اور شریعت اسلامی کی رو سے جائز و ناجائز میں صحیح امتیاز کیا جا سکے' اور دوسری جانب سماجی انصاف کے تقاضوں کے اعتبار سے بھی غور کیا جائے کہ کون سا راستہ عوام کی بہبود اور ملک وقوم کی خوشحالی' مضبوطی اور ترقی کے نقطۂ نگاہ سے صحیح اور مفید ہے اور کون سا غلط اور مضر ـــــ اور پھر کیا عجب کہ ہمیں یہ دونوں تقاضے متحد اور یکجا نظر آئیں۔ اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے اور اگرچہ افراد کی سطح پر اس کے نزدیک اصل نصب العین اور مقصد اعلیٰ اللہ کی رضا اور اُخروی فلاح ہے' لیکن دنیا میں اس کا اصل ہدف عدل وقسط کے نظام کا قیام ہے۔ (جس کی مفصل وضاحت صفحاتِ گزشتہ میں ہو چکی ہے!)

اس ضمن میں ایک عملی مشکل دَورِ ملوکیت میں پروان چڑھنے والی فقہ کے بعض فتاویٰ کی صورت میں بھی موجود ہے' جس کا ایک اہم مظہر سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے ایک فیصلہ کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ چنانچہ اس کے حل کے لئے بائیں بازو کے ہمارے بعض دانشور کبھی مارکس اور اینجلز کے ''عمرانی انکشافات' کا سہارا لیتے ہیں (روس میں کمیونزم کی موت واقع ہو جانے کے بعد بھی ان حضرات کی یہ ''وفاداری بشرطِ استواری'' واقعتاً قابل داد ہے!) اور کبھی علامہ اقبال کے اشعار اور ڈاکٹر علی شریعتی کے افکار کا حوالہ دیتے ہیں' حالانکہ ؎

''خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی!''

کے مصداق اس کا کامل حل ''شمشیر قرآنی'' ہی کے حوالے سے دورِ خلافت راشدہ کے عہد فاروقیؓ کے ایک اجتہاد و اجماع میں موجود ہے' جس پر مفصل گفتگو ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں ہوگی!

مسئلہ ملکیت زمین

یہ بات تو پاکستان کا ہر عاقل و بالغ شہری' اور ہر صاحب دانش وبینش انسان جانتا ہے کہ جب تک یہاں سے جاگیرداری اور بڑی زمینداری کا خاتمہ نہیں ہوتا نہ یہ ملک ترقی کرسکتا ہے' نہ یہاں عوامی فلاح و بہبود کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے' اور نہ ہی حقیقی معنی میں عوامی سیاست جڑ پکڑ سکتی ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ جاگیرداروں سے ان کی جاگیریں اور بڑے زمینداروں سے ان کی فاضل زمینیں کس اصول کے تحت واپس لی جائیں؟ اس لئے کہ خواہ کسی اور معاملے میں یہاں جائز و ناجائز اور حلال وحرام کا سوال نہ اٹھایا جاتا ہو' اور شریعت اسلامی کے اوامر ونواہی کو پوری شانِ استغناء کے ساتھ نظرانداز کر دیا جاتا ہو' جب بھی جاگیرداری اور زمینداری کا مسئلہ سامنے آتا ہے فوراً شریعت کی ڈھال سامنے کر دی جاتی ہے اور اصولِ ملکیت اور اس کے جملہ لوازم کے ضمن میں اسلام کے خالص فقہی تصورات کی پناہ لے لی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض لوگوں کو یہ تک کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اصل میں پاکستان بنایا ہی نوابوں' وڈیروں' جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے تھا' اور ان کے پیش نظر قیامِ پاکستان سے صرف اپنے مفادات اور اپنی مراعات کے تحفظ کا مقصد تھا جو تا حال باحسن وجوہ پورا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ انڈین نیشنل کانگریس ایک جانب خود بھی عوامی جماعت تھی' اور دوسری جانب اس کی قیادت پر سوشلزم کے نظریات اور تصورات کا غلبہ تھا' جبکہ مسلم لیگ بنیادی طور پر نوابوں اور نواب زادوں اور ''سروں'' اور خان بہادروں کی جماعت تھی' جنہوں نے اسلام کے نعرے کو صرف اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر استعمال کیا۔ چنانچہ نتیجہ بھی عملی طور پر یہی نکلا کہ بھارت میں زمینداری آزادی کے فوراً بعد ختم کر دی گئی' جبکہ پاکستان میں فیوڈل لارڈ زتا حال کوس لمن الملک

بجار ہے ہیں۔

تو اگر چہ ان لوگوں کا یہ نظریہ تا حال تو ''مطابق واقعہ'' ہونے کی بناء پر بظاہر بہت درست نظر آتا ہے' لیکن اس کی جڑ ایک تو اس حقیقت واقعی سے کٹ جاتی ہے کہ نہ مصور ومفکر و مجوز پاکستان علامہ اقبال جاگیردار یا زمیندار تھے' نہ ہی بانی ومعمار ومؤسس پاکستان محمد علی جناح اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے' دوسرے ان شاء اللہ مستقبل ثابت کر دے گا کہ پاکستان کا قیام مشیت الٰہی میں پوری نوع انسانی کے سامنے اسلام کے سماجی انصاف' اور عدل وقسط پر مبنی اجتماعی نظام کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے' اور ان شاء اللہ جلد ہی اس ''راہی'' کو اپنی ''بھولی ہوئی منزل'' یاد آ جائے گی اور یہ ''بھٹکا ہوا آہو'' بالآخر ''سوئے حرم'' روانہ ہو جائے گا! اللّٰھم آمین!

تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ سوال جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے' پہلے بھی محض خیالی یا وہمی نہیں تھا' بلکہ واقعی اور حقیقی تھا' اور ۱۹۹۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بینچ نے جو فیصلہ قزلباش وقف وغیرہ بنام چیف لینڈ کمشنر پنجاب وغیرہ نامی اپیل میں دیا تھا' اس نے تو اس سوال کو ہزار گنا زیادہ اہم بنا دیا ہے اور اگر اس مشکل کا کوئی حل تلاش نہیں کیا جاتا تو اس سے آئندہ کسی بھی نوعیت کی ادنیٰ سے ادنیٰ زرعی اصلاحات کا راستہ بھی ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جائے گا۔

تو اگر چہ اس سوال کا جواب دینے اور اس مشکل کو حل کرنے کی اصل ذمہ داری سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ان نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے انتخابی منشوروں میں زمین کی ملکیت کو محدود کر دینا شامل کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان جماعتوں کی جانب سے تا حال اس سوال کا کوئی جواب اور اس مشکل کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا' جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہیں' اور ان کے پیش نظر بھی سوائے سیاسی نعرہ بازی کے اور کچھ نہیں ہے! واللہ اعلم!!

بنا بریں راقم الحروف اس بحث کا آغاز اس لئے کر رہا ہے کہ اس پر سنجیدہ غور وفکر

اور گفت وشنید کا آغاز ہو' اور خصوصاً وہ اہل علم اور رجال دین اس پر پوری توجہ مرکوز کریں جو اس ملک میں نہ صرف واقعی طور پر اسلام کی سربلندی اور دینِ حق کے غلبہ و قیام کے آرزومند ہوں' بلکہ اس کے لئے اپنی ذہن وفکر اور سعی وعمل کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر بھی آمادہ ہوں! بالخصوص ایسے اصحابِ علم و دانش آگے بڑھیں جو کتاب وسنت کے نصوص کی پابندی کے عزمِ مصمم کے ساتھ ساتھ صرف سلف کی اجتہادی آراء کے مقلد جامد بن کر نہ رہ جائیں بلکہ شریعت کے اصل مقاصد واہداف کو بھی پیش نظر رکھ سکیں اور جہد و جہاد کے جذبے سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ قیاس واجتہاد اور اس کے ضمن میں مصالح مرسلہ اور مفادِ عامہ کو بھی ملحوظ رکھ سکیں۔ اس لئے کہ حکمت قرآنی کا جو اصل الاصول سورۃ الرعد کی آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے' اس کے مطابق دوام اور بقاء صرف ان ہی چیزوں کو حاصل ہوتا ہے ''جو لوگوں کے لئے مفید ہوں!'' اور اس کے بغیر تمام وعظ ونصیحت اور ساری سیاسی نعرہ بازی زبان کا پھاگ اور مُنہ کا جھاگ بن کر رہ جاتی ہے جس کا مقدر ہی ''سوکھ کر ختم ہو جانا'' ہے![1]

اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے اوّلین حقیقت جو پیش نظر رہنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ قانونی اور فقہی سطح پر اسلام میں انسانی ملکیت کا تصور یقیناً موجود ہے' چنانچہ اسی پر وراثت' زکوٰۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ و نافلہ وغیرہ کے جملہ فقہی احکام مترتب ہوتے ہیں' تاہم واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی اساسی اور ایمانی تعلیمات کے مطابق یہ حق ملکیت اتنا مطلق' اتنا مقدس اور عرفِ عام میں اتنا ''گاڑھا'' نہیں ہے جتنا کہ سرمایہ دارانہ معیشت کے علمبردار خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت صرف ''حق ومنع تصرف'' کی ہے' یعنی کسی شے کے استعمال کا حق کسی ایک شخص معین کو حاصل ہو اور باقی سب کے لئے ممنوع ہو جائے!

چنانچہ قرآن حکیم کی اساسی تعلیمات کے مطابق کوئی انسان کسی دوسری شے تو کیا خود اپنے جسم و جان کا بھی مالک نہیں ہے' بلکہ اس کے وجود سمیت کائنات کی ہر شے کا

(۱) ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ (الرعد:۱۷)

مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جسم و جان، زمین و مکان، مال و منال اور آل و اولاد سمیت ہر شے جو کسی بھی انسان کو حاصل ہوتی ہے، اس کی ملکیت کی نہیں بلکہ اس کے پاس اللہ کی ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول شیخ سعدی ؎

ایں امانت چند روزہ نزد ماست
درحقیقت مالک ہر شے خدا ست

لہٰذا ان اشیاء کے استعمال کا حق اور ان میں تصرف کا اختیار تو انسان کو حاصل ہے لیکن صرف ان قوانین و قواعد کے مطابق اور ان حدود و قیود کے اندر اندر جو مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے معین فرما دیئے ہیں۔

جب کہ اس کے برعکس ''سرمایہ دارانہ'' ذہنیت کی مکمل عکاسی قرآن حکیم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگوں کے اس قول کی صورت میں کر دی گئی ہے: ﴿اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ﴾ ''کہ ہم تصرف کریں اپنے اموال میں جیسے بھی ہم چاہیں!'' (ہود: ۸۷) بہرحال اسلام اس نوع کے مطلق اور مقدس حق ملکیت کا ہرگز قائل نہیں، اس کے نزدیک انسانوں کو جو حق ملکیت حاصل ہے وہ مقید اور محدود ہے۔

پھر خاص طور پر زمین کے ضمن میں یہ معاملہ ایک قدم مزید آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور ــــ اگرچہ ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ﴾ یعنی ''یقیناً زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے!'' (الاعراف: ۱۲۸) اور ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ یعنی ''زمین کو اس نے بچھا دیا تمام مخلوقات کے لئے!'' (الرحمٰن: ۱۰) اور ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ یعنی ''وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے سب کچھ جو زمین میں ہے!'' (البقرۃ: ۲۹) اور اس مضمون کی دوسری بے شمار آیات سے زمین کی ذاتی ملکیت کے خلاف کوئی قانونی اور فقہی دلیل تو نہیں اخذ کی جا سکتی، تاہم ایک رہنما اصول ضرور حاصل ہوتا ہے جس کی نہایت خوبصورت تعبیر کی ہے علامہ اقبال مرحوم نے۔ یعنی ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین!

اور ؎

ده خدایا یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں!
تیرے آباء کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!

اور ؎

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست!
ایں متاعِ بندہ و ملک خداست!

یہی وجہ ہے کہ زمین کے بارے میں یہ شرعی ضابطہ سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر کسی قطعۂ زمین کا ''مالک'' اسے بے کار پڑا رہنے دے اور اس میں کاشت نہ کرے تو ایک معین عرصے کے بعد اس کا ''حق ملکیت'' خود بخود ختم ہو جائے گا اور زمین ضبط کر لی جائے گی۔

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر نہایت حسین ولطیف نکتہ وہ ہے جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ چونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میرے لئے پوری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے!''(۲) لہٰذا پوری زمین کو ''وقف'' کی حیثیت حاصل ہے، اس لئے کہ مسجد وقف ہوتی ہے۔ (چنانچہ جملہ اوقاف کے مانند مسجد کے بھی صرف ''متولی'' ہوتے ہیں، مالک کوئی نہیں ہوتا!)

تاہم ان تمام نکات سے صرف اصولی رہنمائی اخذ کی جاسکتی ہے، قطعی اور قانونی جزئیات کا استنباط نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ کم از کم ہم اہل پاکستان کی حد تک اس مشکل مسئلے کا مکمل حل امیر المؤمنین اور ''خلیفۃ خلیفۃ الرسول ﷺ'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد میں موجود ہے جو آپؓ نے عراق، شام، ایران اور مصر کے مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے میں کیا تھا اور جس پر ابتدائی ردّ وقدح اور بحث ونزاع کے بعد

---

۲) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَھُوْرًا.....)) رواہ ابو داوٗد والترمذی والنسائی والدارمی، عن علی بن ابی طالب وجابر بن عبد اللّٰہ وعبد اللّٰہ بن عمرو وعبد اللّٰہ بن عباس وابی ھریرۃ وحذیفۃ بن الیمان وانس بن مالك وابی امامۃ وابی ذر الغفاری (رضی اللّٰہ عنھم)

''اجماع'' ہو گیا تھا اور جس کی بنیاد پر شریعت اسلامی میں اراضی کی دو مستقل قسمیں قرار پا گئیں' یعنی (۱) عُشری جو انفرادی ملکیت میں ہوتی ہے اور جس کی پیداوار سے صرف عُشر یعنی دسواں حصّہ یا نصف عُشر یعنی بیسواں حصّہ بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اور (۲) خراجی جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت یا بالفاظ دیگر بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے اور جس کی پیداوار میں سے کم وبیش نصف کی حد تک ''خراج'' کی صورت میں بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔

یہ واقعہ قاضی ابو یوسفؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تالیف ''کتاب الخراج'' میں' جو انہوں نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش پر تالیف فرمائی تھی' نہایت عمدہ اور مفید تفاصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ ان مفتوحہ علاقوں کے بارے میں ایک رائے یہ تھی کہ ان کی تمام زمینیں جملہ باشندوں سمیت ''مالِ غنیمت'' کی حیثیت رکھتی ہیں جنہیں اس قانونِ غنیمت کے مطابق جو سورۃ الانفال میں بیان ہوا ہے (آیت ۴۱)' مجاہدین میں تقسیم کر دیا جانا چاہئے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کا صرف پانچواں حصّہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا اور باقی چار حصّے مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے اور اس طرح تمام اراضی انفرادی جاگیریں بن جاتیں اور اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین جاگیردارانہ نظام قائم ہو جاتا' بلکہ ان ممالک کے تمام باشندے مسلمانوں کے شخصی ''غلام'' بن جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ذوقِ سلیم اور فہم عمیق نے اس صورت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا' جس کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''حق عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے!''[۳] اور ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے!''[۴] چنانچہ ان کے انقلابی واجتہادی مزاج اور عمیق اور مجتہدانہ فہم قرآن نے

---

۳) عن ابی ذر الغفاری رضی اللّٰہ عنہ قال : سمعتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَقُوْلُ : ((اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ ' یَقُوْلُ بِہٖ)) رواہ ابو داؤد فی الخراج والامارۃ

٤) عن عقبۃ بن عامر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ((لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ)) رواہ الترمذی ' باب مناقب عمر بن الخطاب

فیصلہ کیا کہ اموالِ غنیمت کا اطلاق صرف ان اموالِ منقولہ پر کیا جائے جو عین موقع جنگ پر حاصل ہوں' جیسے ہتھیار' سامانِ رسد' اور گھوڑے اور اونٹ اور دوسرے مال مویشی وغیرہ' جبکہ اراضی اور دیگر اموالِ غیر منقولہ کو مالِ ''فَے'' قرار دیا جائے جس کا حکم سورۃ الحشر کی آیات ۶ تا ۱۰ میں بیان ہوا ہے' یعنی یہ سب مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائیں اور ان کی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود پر بھی خرچ ہو اور دفاعِ ملی اور دیگر امورِ مملکت میں بھی صرف ہو۔ بہرصورت کسی کی بھی انفرادی ملکیت تصور نہ ہو۔

اس پر شدید ردّ و قدح اور بحث و نزاع کا بازار گرم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف کرنے والوں میں ابتداءً حضرت بلالؓ اور ان کے بعض ساتھی تھے' لیکن پھر انہیں بعض کبار صحابہ (رضی اللہ عنہم) یہاں تک کہ عشرۂ مبشرہ میں سے بھی دو حضرات یعنی حضرت زبیر بن العوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہما) کی پُرزور حمایت اور وکالت حاصل ہو گئی۔ جبکہ دوسری جانب بھی کبار صحابہؓ ہی کی ایک بڑی جماعت جس میں عشرہ مبشرہ سے بھی تین حضرات یعنی حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہم) اور ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) جیسے عالمانِ کتاب و سنت بھی شامل تھے' حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق رکھتی تھی۔ اور اس نزاع کا فیصلہ بالآخر اس طرح ہوا کہ انصارِ مدینہ میں سے اوس اور خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھنے والے پانچ پانچ اکابر صحابہؓ کی ایک مجلس تشکیل دی گئی جو زراعت کے معاملات میں واقفیت اور مہارتِ تامہ کے حامل تھے (گویا اصطلاحِ جدید میں زراعت اور بندوبست اراضی کے ماہرین کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا) جنہوں نے ''بالاتفاق'' حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب کی۔ اور اس طرح گویا اس امر پر ''اجماع'' ہو گیا کہ جو ملک یا علاقے بزورِ شمشیر فتح ہوئے ہوں ان کی اراضی کسی کی ''انفرادی ملکیت'' نہیں ہوں گی' بلکہ بیت المال کی ملکیت یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائیں گی' جبکہ عُشری یعنی انفرادی ملکیت میں داخل اراضی صرف ان علاقوں کی ہوں گی جہاں کے لوگ از خود لڑے بھڑے بغیر ایمان لے آئے ہوں' جیسے

اہل یثرب جواز خود یا محض دعوت وتبلیغ سے ایمان لائے تھے' اور پھر خود جا کر نبی اکرم ﷺ کو اپنے یہاں لائے تھے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔

اس ضمن میں ''کتاب الخراج'' کا حسب ذیل اقتباس بہت مفید ہے جس میں حضرت عمرؓ اور اوس وخزرج کے مذکورہ بالا دس اکابر و اشراف کی گفتگو نقل کی گئی ہے۔ وھو ھذا!:

''جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ نے اللہ کی ایسی حمد وثنا کی جس کا وہ مستحق ہے' اور پھر فرمایا:

''میں نے آپ حضرات کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی ذمہ داری ہے' اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ میں بھی آپ کی طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہو گا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ حضرات بہر حال وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباعِ حق کے کچھ اور نہیں۔''

ان لوگوں نے کہا:

''امیر المؤمنین! آپ فرمایئے' ہم سنیں گے (اور غور کریں گے)''

تو آپؓ نے فرمایا:

''آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں' اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو اُن لوگوں کا حق تھی' ان کو نہ دی ہو اور دوسروں کو دی ہو' تو میں بڑا ہی بد بخت ہوں' لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے جو فتح ہو۔ اللہ نے ان کے اموال' زمینیں اور کاشتکار ہمیں بطورِ غنیمت عطا کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کو غنیمت سے جو مال ملا تھا اسے تو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے' اور پانچواں حصّہ نکال کر اسے اس کے متعینہ